پاکستان کو کیسے بچایا جائے؟

علامہ مفتی محمد ارشد القادری

مکتبہ تعلیم و تربیت

پاکستان کو کیسے بچایا جائے؟

علامہ مفتی محمد ارشد القادری

تعلیم و تربیت پبلی کیشنز

Copyrights

All rights of this book are reserved by Taleem-o-Tarbiyat-e-Islami. There is no permission for a person or institution to publish this book.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق ادارہ تعلیم وتربیت اسلامی محفوظ ہیں۔ کسی فرد یا ادارے کو اسے چھاپنے یا نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

نام کتاب	پاکستان کو کیسے بچایا جائے؟
تالیف	علامہ مفتی محمد ارشد القادری
پروف ریڈنگ	محمد عمر اقبال قادری
کمپوزنگ	تعلیم وتربیت کمپوزنگ سنٹر شاہدرہ لاہور
زیر اہتمام	شعبہ نشر و اشاعت تعلیم وتربیت اسلامی
سلسلہ اشاعت	29
طباعت	بار دوم
سن اشاعت	اگست 2012
تعداد	بائیس سو (2200)
قیمت	30 روپے

Taleem-e-Tarbiyat Publications

Head Office: [illegible], Lahore.

Phone: [illegible]

Email: [illegible]

[illegible]

تعلیم وتربیت پبلی کیشنز

[illegible]

فون: [illegible]

ای میل: taleem-o-tarbiyatpublications@live.com

پاکستان کو کیسے بچایا جائے؟

حالات زمانہ کی بابت ہر ذی شعور سوال کرتا ہے۔ یہ ان کا حق ہے اور اہل علم پر اس سوال کا جواب دینا لازم ہے۔ اگر وہ اس سوال کا جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ صاحبان علم و فن کہلانے کے لائق نہیں ہیں اور اگر وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جواب تو ان کو آتا ہے لیکن وہ جواب دینا مناسب نہیں جانتے تو یہ کتمان حق ہے۔ اگر ہوتا تو شاید ان کے لئے ترقی اور نجات کا ذریعہ بن جاتا مگر جانتے ہوئے بھی سائل کو ان الحق کا جواب صواب دے کر ان کے اذہان و قلوب کو مطمئن نہ کرنا تو بہت بڑا جرم ہے اس کی معافی کہاں ہوگی۔

میری بات معلوم نہیں کتنی کڑوی لگے اور کس قدر پیچ و تاب لائے مگر اس سب کے باوجود میں کہہ رہا ہوں گا اور اس یقین کے ساتھ کہ میرا ضمیر مطمئن ہو جائے گا اس لئے اگر اتنا بھی ہو گیا تو میں خود کو بڑی حد تک سرخرو سمجھوں گا۔ مسلم نے آخرت کی جواب دہی کو بھلا دیا ہے اگر عمل نہیں بھلایا تو اس عقیدہ آخرت کو کمزور کر دیا ہے ورنہ امت مسلمہ اور اس کی یہ حالت جو آج ہے کبھی بھی نہ ہوتی۔

عروج و زوال

مجھے نہیں معلوم میری اس دلیل میں کوئی جان بھی ہے یا نہیں۔ یہ تو قارئین ہی بتائیں گے میں تو اتنا ہی عرض کروں گا کہ نہ تو کسی قوم کو جلدی سے عروج نصیب ہوتا ہے اور نہ فی الفور زوال آ جاتا ہے قوموں کے عروج و زوال کو بہت وقت لگتا ہے لہذا یہ کہنا کہ ہمارے حالات یکدم سے خراب ہو گئے ہیں یہ خلاف قاعدہ ہے قانون

فطرت یوں نہیں ہے جب کوئی قوم بام عروج پر جانے لگتی ہے تو اس کو حصول عروج کے لئے بہت وقت درکار ہوتا ہے اور کوئی قوم زوال کا شکار ہوتی ہے تو بھی ایک لمبا وقت لگتا ہے پھر کوئی قوم ضعف کا شکار ہوتی ہے۔ پوری دنیا میں مسلم امہ کا زوال کسی اچانک کاروائی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک تاریخ ہے ہم نے اس ہدف کو نظر انداز کیا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیارے اور آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے جان لڑا دی تھی۔ وہ ہدف کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی یا رسول مبعوث نہ ہوگا اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ سراسر باطل ہوگا۔ اس کی تردید ہر فرد مسلم پر لازم ہو واجب ہوگی۔

مقصود حیات!

ہم نے اپنی زندگی کا مقصود عیش کو قرار دے دیا حالانکہ یہ ہرگز مقصود حیات نہ تھا بلکہ مقصود حیات تو فقط اپنے رب کو پہچاننا تھا اس کی معرفت تھا اس کی طرف رجوع تھا مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ جسے دیکھو وہ دوڑا جا رہا ہے اپنی خواہش نفس کے پیچھے پیچھے جدھر ہوائے نفس موڑ دے ادھر مڑ جاتا ہے اگر وہ روک دے تو رک جاتا ہے اگر وہ چلا دے تو چل پڑتا ہے۔ رکیے آپ اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ اور پوچھیے اس سے اللہ تعالیٰ کی عدالت کی قسم دے کر کیا ہم ایسا نہیں کر رہے اگر جواب نفی میں آئے تو آپ ہزار تہنیت کے مستحق ٹھہرے آپ پر رب کریم کی کروڑوں رحمتیں ہوں آپ کو دنیا، آخرت دونوں جہانوں میں کامرانی نصیب ہوئی آپ کو مبارک ہو آپ کو مژدہ ہو کہ آپ اس جہان فنا و دو میں کامران ہو کے نکلے۔ اور اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر

آپ اپنی مصیبتوں کا رونا کیوں روتے پھرتے ہیں؟ والی امراض کا خوف آپ کو ان
راحت کیوں پریشان کیے ہوئے ہے؟ تنگ دستی پر آپ کیوں تنگ ہوتے ہیں، ملازمت نہ
ملنے پر کیوں ناامید نظر آتے ہیں؟ اگر یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی ہاتھوں کا کمایا ہوا تو
بے قصور اپنا اور اس کو دوسروں کے سر تھوپ رہے ہیں کیا پھر بھی ختم نہیں آپ اپنا رابطہ
اپنے اللہ تعالیٰ سے درست نہیں کرتے۔ بڑا رابطہ بنائے ہوتے ہیں اور دل میں رو
رو کر خیال آتا ہے فلاں صاحب میرا یہ کام منوا دیں گے اگر ان سے کام نہ بنا تو ان
سے زیادہ بااثر فلاں ہیں وہ کام نکلوا دیں گے گر بالفرض ان سے بھی بات نہ بنی تو
پھر ان سے بھی بڑے سردار اور فلاں ہیں ان سے تو کام کروا ہی لیں گے۔

مقام سفلی اور بلندی کا گمان

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف کوئی
دھیان نہیں اور ان لوگوں کی طرف توجہ ہے جو اپنے خود مجبور و بے بس ہیں ہماری اس
روش نے ہماری قوم کو اس کے مقام اعلیٰ سے گرا کر مقام سفلی تک پہنچا دیا ہے اور
ہم ایسے عقل مند ہیں کہ کھائی میں گر کر بھی بلندی کا گمان کر رہے ہیں صاحب یہ بلندی
نہیں ہے فقط خیالات کی دنیا میں، وگرنہ زندگی کو شعور نہیں ہوتی پستی سے نکلنے کے لئے
تگ و دو کرنا ہوتی ہے اور صرف کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر بلندی نصیب ہوتی ہے
اور اگر بلندی مل بھی جائے تو اہل حق اس کو کافی نہیں جانتے بلکہ اس بلندی پر اپنے
آپ کو قائم رکھنے کو ہی معراج کہا جا سکتا ہے۔ جس قوم میں جذبہ خدمت خلق نا پید ہو
جائے وہ قوم کلی طور پر کبھی بھی خوشحال کیوں نہ ہو جائے اطمینان نصیب نہیں ہوتا فقط
مال و زر کا حصول یا کسی وزیر کی بڑے عہدے کا مل جانا اس کو آپ کامرانی سے تعبیر کر

رہے ہیں جب کہ وہ عہدہ نہیں ہوتا بلکہ ذمہ داری ہوتی ہے مجھے نہیں معلوم ہم ذمہ داری کا نام حکمت کیوں رکھ لیتے ہیں ہم ادائیگی فرض کو طمطراق کیوں بنا لیتے ہیں آپ نے کبھی غور کیا دنیا میں قیام کتنا مختصر ہے اور پھر اس قیام کے بعد ایک ایسے سفر پر روانہ ہونا ہے جہاں سے کبھی واپسی نہ ہوگی اگر میری بات درست نہیں لگ رہی تو بیچارے عوام تو کیا واپس آئیں گے ان کے پاس تو وسائل ہی نہیں ہوتے وہ لوگ جو اس جہاں میں صاحبان تخت و تاج تھے کیا ان میں سے کبھی کوئی جا کر واپس آیا ملک عدم جگہ ہی ایسی ہے جہاں سے واپسی ناممکن ہے اب سوچنا ہے سوچنے کا انداز کیسا ہونا چاہیے۔ بولنے کا انداز کیسا ہونا چاہیے، دیکھو کرنے کا انداز کیسا ہونا چاہیے۔ اب تو جواب بڑا مشکل ہی ہوگا کیوں شاید اب دل و دماغ دونوں حق کے فلسفے میں جکڑے جا چکے ہیں جو ذرا گمان اصلی ہوئی گرفت کر رہی تو پھر وہی حال خراب وہی بے ڈھنگی چال۔

روتے روتے آنسو سوکھ گئے

انسان مدنی الطبع ہے یعنی مل جل کر رہنے والا ہے یہ بات میری نہیں بلکہ مدینے کے تاجدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عملی زندگی سے ثابت ہے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا انسان طبعاً مل جل کر رہنے کو پسند کرتا ہے اب سوال صرف اتنا ہے کیا ہم نے اپنی طبع شریف کا خیال بھی رکھا ہے یا نہیں خیر اس سوال کا جواب تو میری بجائے آپ خود ہی دیں گے تو زیادہ موثر ہوگا بھلا میں کون ہوتا ہوں جو آپ کی زندگی میں مداخلت کروں۔ اچھا ایک بات تو بتائیں آپ اگر کامیاب زندگی گزارنے جا رہے ہیں اور آپ کے موجودہ طور طریقے انسان کو ترقی کی طرف گامزن

کر رہے ہیں تو پھر آپ ہر جگہ رونے دھونے کیوں نظر آتے ہیں۔ پہلے تو ایک ہی T.V چینل ہوتا تھا P.T.V اس وقت تو شاید کم رونا دھونا نظر آتا ہے اور اب تو بے شمار چینلز ہیں اور جدھر دیکھو پروگرام ہی پروگرام جدھر نظر پڑتی ہے رونا دھونا ہی ہوتا ہے۔ کہیں قتل و غارت پہ رونا دھونا کہیں ڈاکوؤں کے ہاتھ جانے پہ رونا دھونا کہیں ظلم و تشدد پہ رونا دھونا، کہیں والدین کی نافرمانی پہ رونا دھونا، کہیں نوجوانوں کے اعمال ناپسندیدہ پہ رونا دھونا، کہیں سیاستدانوں کے بیانوں پہ رونا دھونا کہیں کچھ کہیں کچھ مگر سب رونا ہی رونا ہے۔ کبھی غور کیا آخر اس رونے دھونے کا علاج کیا ہے۔

میں قسماً کہہ سکتا ہوں پچھلے چالیس سال سے اس قوم میں اس قدر جذبہ خود پرستی نہ تھا قدرے کم کم نظر آتا تھا ایک دوسرے کی بات سن کر برداشت کرتے تھے اور جواب متانت سے دیتے تھے یہ بات کوئی زیادہ پرانی نہیں صرف یہی کوئی بیس پچیس سال قبل کی ہے۔ مگر اب تو یہ جذبہ پوری آب و تاب پر نظر آتا ہے۔ خود غرضی نے تو اب ایسا ڈیرہ ڈالا ہے کہ کوئی فرد، خاندان اور گروہ اس سے بری نظر نہیں آتے سب میں ایک ہی دھن سمائی ہے میں اپنے مد مقابل کے ایسے لتاڑوں گا کہ وہ سن کر لاجواب تو ہوں گے ہی ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی تخت خالی بھی لیں گے کہ ہم تو اپنے بارے میں اتنا جانتے نہیں جتنا ہمیں بتایا گیا ہے۔ حیران ہیں یا اللہ یہ علم کی کونسی صنف ہے اور یہ علم آخر آیا کہاں سے ہے کس یونیورسٹی میں یہ علم پڑھایا جاتا ہے۔

لیجئے دیکھئے اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ اس طرح سے وقار تمام سے پوچھئے آپ بھی اپنے بارے میں اتنے باخبر ہیں جتنے آپ کے بارے دوسرے باخبر ہیں یہاں لگتا ہے گویا دل نا تواں بھی پکار اٹھا ہے ہم خود سے باخبر نہیں رہے یہی وجہ ہے ہمارا ہم بھی

علم میں نہیں دیا گیا۔

مجھے اپنا پتا نہیں میں کیا ہوں
حالات زمانہ کی خبر دوں تو کیا دوں

فہم وفراست میری لونڈی ہے

ہر فرد بات معاملات کو سلجھانے کی کرتا ہے اور انداز یہ ہے کہ میرے علاوہ باقی سب کے سب جملہ عیوب ہیں۔ سراپا ظلم و ستم ہیں ان کو عقل و فکر سے دور کا بھی تعلق نہیں، بس عقل مند میں ہی ہوں۔ فہم و فراست میری لونڈی ہے۔ دانش میری کنیز ہے۔ علم و فن مجھ پر ناز کرتا ہے، میں یگانہ روزگار ہوں، دنیا کا کوئی انسان میرے جیسا انداز بیان نہیں رکھتا۔ نقص نام کی کوئی چیز مجھ سے لاحق نہیں، غلطی تو کبھی میری قریب بھی نہیں پھٹکی۔ دنیا جہاں کے تمام کمالات کا حامل میں ہوں میرے علاوہ اور کوئی صاحب کمال ہو ہی نہیں سکتا۔ ان بزعم خویش لیڈران قوم کی باتیں سنو تو رو دینے کو جی چاہتا ہے۔

مانتا ہوں مجھے تمہیں 30 سال انکار نہیں کرنا چاہیے تھا جلدی ختم ہونا چاہیے تھا مگر میں نہ تو عالم ہوں نہ صاحب کمال نہ دانش ور ہوں، نہ ادیب، نہ ماہر TABLE TAKE ہونہ مقابل؟ گر ماہرین علوم و فنون کو سمجھانے کے لئے کون سا انداز بیان اختیار کروں جو کم از کم ان حضرات و بقراط کے جانشینوں پر اثر انداز ہو۔ ہر شخص اپنی جگہ انا و لا غیری کی بس میں ہوں اور کوئی کچھ نہیں کا مصداق بنا بیٹھا ہے۔ ان جیسے بڑے حضرات کو کس زاویے سے بتایا جائے کہ انسان کس طرح واقعی عزت پا سکتا ہے۔ اس ملت کی بیماری خود غرضی و خود پرستی اور ہوس مال و زر ہے۔ اگر ان تینوں

جیسے اس کا علاج کر لیا جائے بلکہ اصل صحت مند توانا ہو سکتی ہے۔ ہر شخص کے باطن وہ صرف یہ چاہتا اس کو دنیا جہان کی راحتیں مل جائیں اور دوسروں کے پاس نہ ہوں اس جگہ اب آپ کو خوش سمجھتا کہ میرے پاس سب کچھ ہے اور دوسرے ان تمام نعمتوں سے خالی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں اس طرح بھی ایک طرح کا احساس برتری پیدا ہوتا ہے مگر یہ احساس زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا بلکہ جلد ہی معدوم ہو جاتا ہے یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کو دبا دینا چاہیے اس کو دبانا ہی مناسب ہے اس کو پال لینا بے شمار نقصان دہ ہے۔

نجی تحفظ اجتماعی تحفظ کا ضامن نہیں ہوتا

جو کوئی خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہو گا وہی کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتا چلا جائے گا۔ جو بھی خدمت خلق کے جذبے سے عاری ہو گا تو کامیاں ناکامیاں اس کا مقدر بنتی چلی جائیں گی۔ کسی بھی قوم کو بام عروج پر جانے کے لیے ایک عرصہ لگتا ہے اس راستے کی انتھک محنت انسان کو عزت و عظمت سے ہمکنار کرتی ہے۔ جس قوم میں شخصی تحفظ کا رجحان پیدا ہو جائے اس کو اجتماعی تحفظ کبھی میسر نہیں آتا۔ یہ امر حقیقی ہے اجتماعی تحفظ نجی تحفظ کا ضامن ہوتا ہے لیکن نجی تحفظ اجتماعی تحفظ کا ضامن نہیں ہوتا مجھے نہیں معلوم میں کس طرح بات کروں کہ وہ میری قوم کو سمجھ آ سکے میں کون سی طرز اپناؤں کہ میری قوم کو وہ پسند آئے میں کس طرح کے الفاظ استعمال کروں میں کیسے نکتے اٹھاؤں میں کس طرز کے پیراگراف ترتیب دوں کہ میری قوم اس کی طرف توجہ مبذول کرے۔ اے اللہ میرے قلم میں زور پیدا فرما۔ اے اللہ میری تحریر میں تسلسل پیدا فرما۔ اے اللہ میری گفتگو میں تاثیر پیدا فرما کہ تیرے بندے ان تمام زاویوں سے ہٹ کر صرف اس زاویے پر سوچیں جس سے اس ملت کو اجتماعی

اُلجھن کو دور کیا کرتا ہے۔ ہم تو اس قوم کو اُلجھنیں ڈالتے ہیں اور قوم کو مصروف رکھتے ہیں تا کہ یا پلی ہی اُلجھنیں کا شکار رہے۔ جس قوم کے لیڈروں کا حال یہ ہو جائے اس قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔ جن لوگوں نے اُلجھنوں کو حل کرنا تھا وہ اُلجھنیں ڈالتے نظر آتے ہیں۔ بجلی نایاب، ٹرانسپورٹ کا نظام درہم برہم، تجارت ناپائیدار کوئی محکمہ ایسا نہیں جہاں عدم استحکام نہ ہو۔ ہمارے پڑھے لکھے نوجوان ڈگریاں لیے جگہ جگہ خاک چھانتے پھرتے ہیں مگر ان بیچاروں کو نوکری تک نہیں ملتی والدین اپنی جگہ جیلتے ہیں کہ بیٹا ہم نے آپ کو پڑھا لکھا دیا اب کوئی کام کر دکھا کر لاؤ تا کہ ہماری مشکلیں آسان ہوں مگر نوجوان کیا کریں ان کو نوکری نہیں ملتی وہ پریشان حال ہیں آپ خدا لگتی کہیے کہ مجھ کو نہ کہے۔ کیا حالات واقعی ایسے نہیں ان حالات میں کسی قوم میں استحکام آ سکتا ہے اور اگر قوم میں استحکام نہیں آتا تو کیا ملک مستحکم ہو جائے گا ملک کو اپنانے کا رونا رونے والے صرف اتنا بتا دیں کہ جس ملک کا نوجوان باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے بے روزگار ہو جس ملک کے نوجوان کو عزت کی روٹی تک میسر نہ ہو کیا اس نوجوان کا ملک استحکام پائے گا۔ اگر اس طرح ملک استحکام پاتا ہے تو پھر مجھے بھی بتا دیجئے کہ ایسا کوئی گر ہو گا ہی نہیں۔

پاکستانی نوجوانوں پر اعتماد کرو

ایک اور بات کہنے لگا ہوں ذرا غور فرمائیے گا۔ اصلاً ہم ذہنی طور پر مغرب زدہ ہیں ہماری سوچ میں ایک ایسا مغربیت کا ٹانکا لگا ہوا ہے جس کو ادھیڑا نہیں جا سکتا۔ ہم ان نوجوانوں کو زیادہ فہیم سمجھتے ہیں جو بیرون پاکستان سے آئے ہوں اور اپنے نوجوان کو کم ذہین تصور کرتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جو بندہ

ہم باہر سے امپورٹ IMPORT کرتے ہیں اس کو دو لاکھ دے دیں ماہانہ ساتھ میں ایک گھر اور دو دو گاڑیاں چھ ماہ یا سال کے بعد فرنیچر بھی تبدیل کر کے دیتے ہیں اور تمام مراعات کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ کام کرنے والے کا ہم پر احسان ہے شکر ادا کر سکتا ہوں میرا نوجوان، پاکستان کا نوجوان جو دیہات سے آکر پڑھا ہے، وہ امپورٹڈ IMPORTED بندے سے زیادہ ذہین ہے۔ میں کہتا ہوں آپ اپنے نوجوان کو پاکستانی نوجوان کو دو لاکھ نہیں بلکہ صرف پچاس ہزار روپیہ دیں ایک اچھا سا گھر اور ایک گاڑی دیں وہ ان شاء اللہ اس نوجوان سے زیادہ کام کرے گا۔ مگر ایسا ہوتا نہیں پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتیں ہیں وہ اہل حق کی دسترس میں نہیں آتیں اور مستحق لوگوں تک نہیں پہنچتیں اس وجہ سے نوجوان پڑھ لکھ جاتے ہیں وہ پاکستان میں کام کرنے کی بجائے بیرون ملک چلے جاتے ہیں اور پھر وہ وہاں رہ کر ایسے بن جاتے ہیں کہ ان کو پاکستان کی فضا میں گندگی ہی گندگی نظر آنے لگ جاتی ہے جب بھی وہ پاکستان آتے ہیں تو ان کا نقطہ نظر اس طرح کا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ملک کی تعریف کریں اور کہیں کہ سبحان اللہ پاکستان کتنا حسین ملک ہے۔ پاکستان سے جدا ہو کر دل بے قرار رہتا ہے بلکہ وہ یوں کہتے ہوئے نظر آتے ہیں یہاں پلوشن (Pollution) ہے یہاں یہ خرابی ہے یہاں یہ برائی ہے یہاں یہ کمی ہے۔ یہ نقطہ نظر کیوں ہے؟

پامالی حقوق

کبھی غور کیا آپ نے اس طرح کی صورت حال کیوں پیدا ہوئی۔ یقیناً اس لیے کہ پاکستان کی فضا ایسی بنا دی گئی ہے جہاں ہر ذی شعور باوجود صاحب علم ہونے کے اپنے حقوق کو نہ پا کر پریشان حال ہے۔ اہل حق خود ذہنی کرب محسوس کرتے

ہیں، بہت صبر کرتے ہیں، برداشت کرتے ہیں مگر اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔ جب ایک تعلیم یافتہ شخص اپنے حقوق کی یوں پامالی دیکھے تو وہ کس طرح اس ملک وقوم کی تعریف میں رطب اللسان ہو، وہ کیونکر اس ملک وقوم کی توصیف پر کمر بستہ ہو۔ ہاں اگر پامالی حقوق کا سلسلہ بند ہو جائے اور ہر پاکستانی کو خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ، وہ کاشتکار ہو یا رکشہ ڈرائیور، وہ مزدور ہو یا کسان، اس کے حقوق مل جائیں۔ اس کو مال، جان، عزت آبرو کا تحفظ مل جائے تو یقیناً پاکستان ایک مستحکم ریاست بن جائے ایسی صورت اگر بن جائے تو پاکستان کو بچایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ میری اس تحریر میں کچھ حق پاتے ہیں تو آیئے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے میرا ساتھ دیں۔ تعلیم وتربیت اسلامی آپ کو دعوت دیتی ہے کہ آیئے اس ملک وقوم کے لئے کچھ کردار ادا کریں اس ملک وقوم کو سنوارنے کی کوشش کریں اگر ہم اس راہ میں کامیاب ہو گئے تو دنیا وآخرت دونوں جہاں روشن ہو جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انداز دعوت

میرے ہاں ہر شب جمعہ کو حلقہ ذکر منعقد ہوتا ہے، ہر انگریزی مہینے کی دوسری اتوار کو تربیتی اجتماع ہوتا ہے۔ اگر آپ بھی اپنے دین وایمان کی لاج رکھنا چاہتے ہیں اور اہل ایمان کو ان کی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلانا چاہتے ہیں تو آیئے مل کر جدوجہد کریں تاکہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں۔

واللہ! وہی انداز فکر اس ملت کو پھر عظمت رفتہ دلا سکتا ہے جس انداز نے اس امت کو ابتدائی زمانے میں عزت وعظمت بخشی تھی۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد

مصنف کی دیگر تصانیف

1 ۔ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت
2 ۔ غلامی رسول ﷺ اور اس کے تقاضے
3 ۔ تعظیم مصطفےٰ ﷺ قرآن کی روشنی میں — زیر طبع
4 ۔ نماز ہے حسن ایمان
5 ۔ جنت کا راستہ
6 ۔ پیغام بابا ہو رحمتہ اللہ علیہ
7 ۔ شان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ — زیر طبع
8 ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ — زیر طبع
9 ۔ ندائے یا رسول اللہ ﷺ — زیر طبع
10۔ اسباب عروج و زوال — زیر طبع
11۔ مولانا محمد بخش مسلم کے سو سوال — زیر طبع
12۔ ہماری دعوت فکر
13۔ ڈاکٹر مسعود عثمانی کی خرافات کا علمی محاسبہ
14۔ حقیقت میلاد، فیوض و برکات کی برسات
15۔ میاں محمد حیات نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ علیہ پر ایک نظر
16۔ ذرا سی بات یا معرکہ حق و باطل — زیر طبع
17۔ ذرا ایک نظر ادھر بھی

جامعہ اسلامیہ رضویہ شیخ ہسپتال مین بازار رچنا ٹاؤن گلستان رضا شاہدرہ لاہور پاکستان